بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

ایک مسلم خاتون کا کردار کیا ہونا چاہیے؟ مسئلہ صاف اور سادہ سا تھا مگر اس کی ڈوریاں بری طرح اُلجھ گئی ہیں۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اپنے خاص عقاید و اقدار اور اصول و احکام رکھتا ہے، لہٰذا جو بھی اسے قبول کرے گا ــــــ خواہ وہ حاکم ہو یا شہری، اُستاد ہو یا شاگرد، دولت مند ہو یا غریب، مستاجر ہو یا اجیر، مرد ہو یا عورت ــــــ اُس کا کردار دُنیا کے بنائے ہوئے مختلف معاشروں سے ایک اور امتیازی ہوگا۔ اگر یہ امتیازی تشخص نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو ٹھیک طرح سمجھ کر اُس سے ہم آہنگی پیدا نہیں کی گئی۔ جو فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ سے منسوب ہونے کے باوجود غیر اسلامی تہذیب و معاشرت سے تمام آداب و اطوار لیتا ہے اور سرمستِ تقلید و مرعوبیت ہو جاتا ہے اور خود اس پوزیشن میں نہیں رہتا کہ وہ بیرونی دُنیا کو کچھ نئے انداز و اسالیب دے سکے تو یہ بڑے خسارے کا معاملہ ہے۔

شاید میری کوتاہ نظری ہوگی کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہماری ماڈرن خواتین اور ان کی تنظیم "اپوا" نے کبھی کسی مغربی طور طریقے کو خلافِ اسلام سمجھ کر اُس کے خلاف آواز اُٹھائی ہو، کبھی ایمانی اور اخلاقی لحاظ سے خواتین کی تربیت کے لیے کوئی خاص کلام کیا ہو، کبھی کسی خلافِ دین رواج یا تقریب یا ادارے کے خلاف احتجاجی قرارداد پاس کی ہو، کبھی اُن کا کوئی وفد اس

مقصد سے کسی حاکم سے ملا ہو کہ ہم فلاں اسلامی خدمت کرنا چاہتے ہیں، اس میں ہماری مدد کی جائے۔ کبھی پیش کش کی ہو کہ نماز یا زکوٰۃ یا کسی اور سلسلے میں جو اقدامات کیے جا رہے ہیں، ہم اُن کو کامیاب بنانے کے لیے اپنا تعاون پیش کرتے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فلم، ریڈیو یا ٹیلی وژن پر نسائیت کا کوئی گھٹیا روپ سامنے آنے پر یا سرمایہ کے زور سے خواتین کے چہروں، بدنوں اور تبسموں کی خرید و فروخت پر اپوا کی بیگمات نے کوئی مظاہرہ کیا ہو۔

لے دے کے اپنی ملازمتوں کے مساویانہ حق اور اس حق کے ساتھ کسی طرح کی حدود و قیود کو مسترد کرنے پر اپوا ازادیاں اُٹھ کھڑی ہوں تو معنی یہ ہوئے کہ جو ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے، اُس کا صرف اپنے مفاد کا پلڑا آپ بھرنا چاہتی ہیں، فرائض اور ذمہ داریوں اور پابندئ حدود کا پلڑا چونتیس برس سے خالی ہے۔ ایسی ترازو کے ساتھ آپ سے کون عدل یا اعتدال کی اُمید رکھے گا۔

اس ملک میں بڑی لمبی دستوری جدوجہد ہوتی رہی، کبھی آپ نے اسلامی اصول دستور کے لیے کوئی آواز اُٹھائی؟ یہاں قرار دادِ مقاصد پاس ہو، آپ نے کوئی دلچسپی لی؟ یہاں لوگ آمریتوں تلے پستے رہے، کبھی آپ نے زخم کھانے والی قوم سے کوئی ہمدردی کی؟ یہاں فحاشی نے بارہا زور باندھا ــــ اور اِس وقت بھی غیر مُلکی عریاں تصاویر، کرایے کے گھٹیا ناولوں اور وی۔سی۔آر کے پیرائے میں بلیو فلموں کی وبا عام ہو رہی ہے، کبھی آپ نے عورتوں سے تعلّق رکھنے والی اس تباہ کُن مہم کا نوٹس لیا؟ دکانوں کے شوکیسوں میں جگہ جگہ عورتوں کے مجسمے سجے ہوتے ہیں۔ جن میں اُن کے قابلِ اخفا حصّہ ہائے جسم کو اُبھارا گیا ہے، کبھی آپ نے محسوس کیا کہ یہ عورت کی توہین ہے اور اس لحاظ سے خود آپ کی تحقیر؟ اور پھر کیا کبھی کسی سے یہ مطالبہ کیا کہ عورت کا یہ تاجرانہ استعمال ختم کر دیا جائے؟

آپ کا سارا زور دو ہی باتوں پر ہے، ایک پردے بلکہ چادر دوپٹے کی پابندیاں نہ ہوں اور دوسرے مردوں کے ساتھ مخلوط تعلیم، مخلوط تقاریب، مخلوط دفتری زندگی اور دوسری سرگرمیوں میں

دوش بدوش ہو کر رہنے کا حق تسلیم کیا جائے۔ اور اس پر یہ بھی اصرار کہ یہ عین اسلامی اسلوب ہے اور قرآن اسی کی پشت پناہی کرتا ہے۔ اگر کوئی مفسر یا مولوی اس اجتہادی نقطۂ نظر کو نہ ملتے تو وہ ملّا ہے، (اور مغربی استعماریوں نے اس لفظ کو کودن اور احمق کے معنی کا جامہ پہنایا ہے) اُسے بولنے کا حق نہیں، خصوصاً ہمارے شوہروں کے زیرِ اہتمام چلنے والے ریڈیو اور ٹیلی وژن کے دروازے تو اُس کے لیے قطعاً بند ہونے چاہئیں۔ کاش کہ اپوا کی بیگمات میں یہ صلاحیت ہوتی کہ وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر قرآن و حدیث کا درس دینے کا اجارہ سنبھال لیتیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن و حدیث کی دُنیا میں داخل ہونے والے کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اگر وہ کسی ایک جگہ کوئی ٹیڑھی بات کر بھی لے تو آگے چل کر دوسری آیات و روایات اُس کا راستہ روک دیتی ہیں۔ قرآن کا یہ خاصہ ہے کہ جو اس سے ہم آہنگی کرے نہ کرے، اُسے وہ اُٹھا کے اپنی دُنیا سے باہر پھینک دیتا ہے اور جو اس کے اندر رہنے پر اصرار کرے اُسے وہ آہستہ آہستہ اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ خصوصاً درس دینے والے لوگ تو اگر آیات کے ساتھ سامعین کے رُو برُو کھیلتے ہیں تو فوراً پکڑے جاتے ہیں۔ کوئی ادبیت اور لفاظی اُن کو نہیں بچا سکتی۔ بس بیگماتِ کرام! ہمت ہو تو ذرا قرآن سے معاملہ کر کے دیکھیے، یہ نہیں کہ ایک آدھ آیت یا اس کا کوئی حصّہ لیا اور اُس پر سارا اجتہاد کھڑا کر دیا۔ آخر یوں رائی سے پربت کب تک بنائے جاتے رہیں گے۔

ابتدائی سطور میں جو بات میں نے اجمالاً لکھی اُس کی قدرے وضاحت کرنا چاہتا ہوں — مُسلم خواتین کی کسی پاکستانی تنظیم کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جہاں دَورِ جمود کے اثرات اور ہندو معاشرت کی مسلّط شدہ رسوم کو مٹانے کی فکر کرے، وہاں مغربی تہذیب کے ان فاسد اثرات سے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو نجات دلانے کی زیادہ سعی کرے جن کا نفوذ انگریزی اقتدار کے ساتھ شروع ہو کر حصولِ آزادی تک ہی خاصا زور پکڑ چکا تھا۔ اور اب تو ان فاسد اثرات کے برگ و بار بڑے زور شور سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اس ذمہ داری کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مسلم عورت کا کردار اس طرح پیش کیا جائے کہ جدید ملحدانہ تہذیب کے بنائے ہوئے معاشرتی

کے تصورِ نسائیت سے ہمارا تصورِ نسائیت جداگانہ شکل میں ممیز ہو۔ ہم اصولوں میں اور تفصیلات میں راہِ حق سے ہٹی ہوئی دُنیا کو یہ بتا سکیں کہ ہم ایک مختلف قسم کے معاشرے اور ایک مختلف قسم کی تہذیب کے نمائندہ لوگ ہیں اور ہمارے تمہارے راستے ایک نہیں ہیں۔ یہ پست مقام مسلمانوں کا نہیں ہے کہ وہ اپنے دَور کے مقلد بن کر ہر شے اس سے قبول کرنے والے ہوں بلکہ "ید علیا" کے ساتھ اسے زیادہ بہتر اقدار دینے والے ہوں۔

بتایا جائے کہ آپ لوگوں نے دُنیائے بے اسلام کو کیا پیغام اور کیا تحفہ نسائیت کے دائرے میں مہیا کیا ہے؟ اگر کچھ نہیں تو پھر آپ وقت کے طوفانی دریا کے تندریلوں کی گرفت میں آکر بے بس ہیں کہ عالمی مروجات اور پروپیگنڈا جدھر آپ کو بہائے لیے جا رہا ہو۔ اُدھر اس نشہ آور تصور میں بہتی رہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ وقت کے دھاروں میں بے اختیارانہ طور پر اس طرح بہنے اور غوطے کھانے والوں کے لیے اسلام کے پاس سرے سے کوئی دعوت اور کوئی پیغام اور کوئی حکم نہیں ہے۔ اسلام تو اُن لوگوں کو اپناتا ہے جو اسلامی غایات کے مطابق وقت کے دھارے کا رُخ بدلنے کے لیے مہم اُٹھا سکیں۔ اسی لیے وہ دین جہاد ہے ——— کلمۂ اوّل سے لے کر مرحلۂ آخر تک جہاد! جس کسی کو جہادِ اسلام کے مقاصد اور اُس کی تحریک کا شعور ہی نہ ہو، اُسے اس تکلفِ بے جا کی کیا ضرورت کہ وہ اسلام سے باہر کی باتیں چھیڑتے ہوئے بلا کسی شعور کے اسلام کا نام لے یا اُس کے بنیادی نوشتے کی کسی آیت کے کسی جزو کو اُچھالے۔

اسلام آپ کے دفتر میں مہر لگانے والا کلرک نہیں ہے کہ جو چیز آپ کو پسند آجائے اور جو فیصلہ آپ کر لیں، آپ کا اشارہ ابرو ہوتے ہی وہ اس پر کھٹ سے مہر لگا دے اور نہ لگائے تو آپ جلوس لے کر مظاہرہ کرنے چڑھ دوڑیں اور محبِ دین افراد کو مُلّا کہہ کر بُرا بھلا کہنا شروع کر دیں۔

یہ غلط کھیل بہت عرصے سے اپنے مختلف اذیت رساں مناظر دکھا چکا ہے۔ خدا را اب بساط سمیٹیے اور غلبۂ دین کا کام کرنے والوں کو کام کرنے دیجیے۔ یہ کھیل جو معاشرے کی اکثریت کو ایمانی موقف سے ہٹانے میں ناکام ثابت ہوا ہے، اب ہر ذہین آدمی کو

بور معلوم ہوتا ہے ۔ کوئی دوسرا کرتب شروع کیجیے ۔

مشکل یہ ہوئی کہ آپ لوگوں نے کسی ناپسندیدہ نقطۂ نظر پر دلائل سے بات کرنے کے بجائے ایجی ٹیشن اور دباؤ ڈالنے کا طریقہ اختیار کیا ۔ ٹیلی وژن کے خلاف برسرعام آپ کا مظاہرہ خلاف قانون بھی تھا، اور یہ آپ کے غیر ذمہ دارانہ پن کا ثبوت ہے کہ آپ نے تعلیم یافتہ ہو کر ہی نہیں، انتظامیہ کے کارپردازوں کی بیگمات ہوتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی، جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جذبات قانون کی حدود کی پابندی قبول نہیں کر سکتے — کجا کہ اسلام کے اصول و احکام کی پابندی!

آپ نے ذہنوں کو بدلنے کی استدلالی محنت سے کام نہیں لیا ۔ قرآن کی بات تھی تو آپ قرآن کی آیات سے مدد لیتیں ۔ احکامِ رسالتؐ کا ذکر چلا تھا تو آپ اپنے حق میں سنّتِ نبویؐ اور احادیثِ پاک کو لاتیں ۔ آپ حضورؐ کی تیار کردہ سوسائٹی کے ثابت شدہ معمولات کو اجاگر کرتیں، خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل اور خود امہات المومنینؓ اور صحابیاتِ محترمات کے قائم کردہ نمونوں کو پیش فرماتیں ۔ اور آپ ائمہ فقہا کی علمی تحقیقات سے تائید حاصل کرتیں، مگر آپ نے ایجی ٹیشن کے ذریعے حکومت کی جبری قوت کو اپنی مدد کے لیے بلایا ۔ اس ایجی ٹیشن کی سربراہی ایک ایسی شخصیت نے کی جو ایک بڑے صاحب کی بیگم تھیں ۔ اگر ایسا واقعہ دورِ فاروقی میں ہوتا تو خلیفۂ ثانی اپنی اہلیہ کے خلاف کارروائی کرتے اور اُسے حوالہ عدالت کر کے سزا دلواتے ۔

بڑے بڑے سرکاری عہدہ داروں کی بیگمات اور ان کی تنظیم نے ابھی تک تو کوئی ایک مثال بھی ایسی قائم نہیں کی کہ وہ معاشرے میں کسی خلاف اسلام سرگرمی کو دیکھ کر ایجی ٹیشن کرتیں ۔ افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کی اعلیٰ خواتین تو اُس مقام تک بھی نہیں پہنچیں جہاں تک انڈیا کی پھیلائیں جا پہنچیں انہوں نے بازاروں میں عورتوں کی عریاں تصاویر اور فحاشی کے خلاف دلی میں ایجی ٹیشن کیا اور یہ صورت چند سال پہلے بھی وہاں عمل میں آچکی ہے ۔ اگر ہمارے ہاں کی بیگمات نے بھی کبھی ایسا کوئی ایجی ٹیشن کیا ہوتا تو اُن کا مقامِ اعتبار برتر ہوتا ۔ اسلام سے آزاد ہو کر چلنے کے لیے تو اسلام کے

نام پر آواز اُٹھائی جاتی ہے، مگر اسلام کے احکام وحدود کی پابندی قبول کرنے کے لیے کوئی آواز ماڈرن حلقوں سے بلند نہیں ہوتی۔ یعنی آپ جو کچھ چاہیں اُس کی منظوری تو اسلام (نعوذ باللہ) بصد ادب دیتا رہے، لیکن اسلام جو تقاضے کرتا ہو، اُن کی آپ کچھ پروا نہ کریں، حالانکہ اسلام تو نام ہی اس کا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے ارشادات کے سامنے سرِ تسلیم بغیر کسی تحفظ کے خم کر دیا جائے۔

ایک اہم معاملہ اور بھی ایسا ہے جو بہت غور و توجہ چاہتا ہے۔

اس وقت پوری دُنیا میں، خصوصاً مسلم معاشروں میں ملحدانہ افکار و معاشرت کے خلاف اسلامی نظریہ و نظام کی علمبردار قوتوں کی تند و تیز کشمکش شروع ہو چکی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ آہستہ آہستہ فیصلہ کن مراحل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کشمکش میں اسلام کی تمام دشمن اور مخالف قوتیں —— وہ بڑی عالمی قوتیں ہوں، یا یہود و ہنود کی قوتیں —— پورا زور لگا رہی ہیں کہ مسلمان موجودہ تہذیبی سامراج کے چنگل سے نہ نکل سکیں۔ اس لڑائی میں ملحدانہ عالمی تہذیب کی پشتیبان قوتیں افکار، علوم، نصابیات، صحافت، عالمی نیوز ایجنسیوں کے نظام، فلم، تصاویر، ٹیلی وژن، ریڈیو، ثقافتی وفود، ایڈ اور پروپیگنڈے کے پورے وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے مسلم معاشروں کے اندر جن عناصر کو مضبوط رکھنا چاہتی ہیں، اُن میں سے ایک مسلمانوں میں گھلا ملا لادینیت پسند طبقہ ہے اور دوسرے ماڈرن بیگمات۔

لادینیت پسند طبقے کا ایک حصہ حکومت و اختیار کی قوتوں اور انتظامی عہدوں کی قوت کو کام میں لاکر اور دوسرا حصہ ادب و صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ میں نفوذ کر کے اسلام کی پیش قدمی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ اسی مزاحم قوت کی وجہ سے اوّل تو اسلام کا نام گونجتے رہنے پر بھی کام کچھ نہیں ہو سکتا، کچھ کام ہو بھی تو اس میں ہزار رخنے پیدا ہوتے ہیں، یا پھر جو قدم اسلام کی راہ پر اُٹھتا ہے اس کے سامنے ہی سامنے دوسرے کئی قدم اسلام کے خلاف عملاً اُٹھ جاتے ہیں۔ نتیجہ تضاد ہے۔ اس طرح عوام کے اسلامی جذبات کو تضاد کی چکی میں پیسا جا سکتا ہے اور پیسا

(باقی بر صفحہ ۵۵)

(بقیہ اشارات) جا رہا ہے۔ اگر یہ صورت جاری رہی تو لوگ آہستہ آہستہ اسلام سے مایوس اور شکارِ انتشار ہو سکتے ہیں۔ یہ بہت ہی ماہرانہ نقشۂ جنگ ہے جو لادینیت پسندوں نے بنایا ہے کہ اسلام کے گلے پر چھری چلاتے ہوئے اسلام ہی کا نام لیا جاتے۔

اس پالیسی کی گاڑی کا دوسرا پہیہ بیگمات ہیں۔ مغربی تصور یہ ہے کہ اگر عورت ایک مرتبہ لادین تہذیب کی پیدا کردہ معاشرت کے طلسم میں مبتلا ہو جائے تو پھر وہ ایسے فتنہ ہائے قلب و نظر کا سامان بن سکتی ہے کہ اسلام کی قدریں کبھی جگمگا نہ سکیں۔ مغرب کی ملحدانہ تہذیب کے خداوندوں کو مسلمان عورتوں کا برقع تو کجا، اُن کا چادر یا دوپٹہ اوڑھنا بھی خطرے کا نشان معلوم ہوتا ہے۔ جہاں جہاں مغربی تنظیموں نے سرکاری یا غیر سرکاری مدارس کھول رکھے ہیں، وہاں وہ انگریزی یا کسی دوسری مغربی زبان کی برتری اور مغربی آداب و اطوار کے فروغ کا اہتمام کرنے کے ساتھ مسلمان بچیوں کو اپنے مدرسوں میں لیتے ہوئے چادر دوپٹے سے آزاد کرانے کی مہم میں لگی ہوئی ہیں، بلکہ اصل کوشش یہ ہے کہ وہ ان کو کھلے سینوں اور کھلے بازوؤں کے ساتھ سگرٹ کا عادی بنائیں۔ اِدھر ہمارے سیکولر طبقے کے اکابر اور ان کی بیگمات کا حال یہ ہے کہ وہ بصد مسرت بھاری اخراجات ادا کر کے اپنے بچوں بچیوں کو اُن کے حوالے کرتے ہیں کہ ان کو اتنا بگاڑ دو کہ اسلام اُن کے لیے اجنبی بن جائے اور یہ اسلام کے لیے اجنبی ہوں۔

کیا ہمارے ہاں کی ترقی پسند خواتین اور روشن بدوش قسم کی بیگمات کے ماتھے پر کبھی کوئی سلوٹ ان غیر ملکی مدارس کے خلاف بھی پڑی۔ ایجی ٹیشن تو دُور کی بات ہے مجھے تو اندیشہ یہ ہے کہ اگر بحث چھڑے تو شاید ہماری روشن خیال خواتین یہ کہیں کہ اصل اسلام تو ہے ہی وہی جو ملحدانہ مغربی تہذیب و معاشرت اور مسیحی مذہب کو پھیلانے والے یہ مدارس کر رہے ہیں۔ باقی جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب تو ملائیت ہے۔ ہر غلط بحث کا لٹھ ملا کے سر پہ توڑنا ضروری ہے۔

تو کہنا یہ تھا کہ یہ فیصلہ کن تاریخی کشمکش جیسے قرنوں سے پسنے والے مسلمانوں کی نوجوان نسلوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے چھیڑ رکھا ہے، اس میں خواتین مخالف محاذ کی طرف سے استعمال ہو رہی ہیں۔ کاش انہیں اس کا شعور ہو جائے۔ بصورت دیگر ملتِ اسلامیہ نے اپنے احیا کے لیے صدیوں سے جو جتن کیے ہیں، آپ کا رویہ ان سب کو ملیامیٹ کر دے گا۔

جو لوگ تاریخ رواں کا وسیع افق سامنے رکھ کر سوچتے ہیں، وہ پردے سے گریز اور مخلوط تعلیم اور ثقافتی سرگرمیوں کی علمبردار خواتین کے پارٹ کا جب تجزیہ کرتے ہیں تو انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سب کچھ مشہور مغربی وقائع نگار خاتون اوریانا فلاسی کے مزاج کے مطابق ہو رہا ہے۔

ان گذارشات کو پیش کرتے ہوئے میری دلی تمنا ہے کہ ماڈرن خواتین کسی مفسر کی ذات اور ٹیلی ویژن کے کسی خاص پروگرام کے خلاف بحث اٹھانے کے بجائے اپنے مقام و موقف کا بہ نگاہِ خود تنقیدی جائزہ لیں۔

یہی صلاح و فلاح کی راہ ہے۔

نقشہ افغانستان

افغانستان کے تاریخ، جغرافیہ، موجودہ سیاسی بحران اور افغان مجاہدین کے علاوہ عسکری کارناموں کو سمجھنے کے لیے پہلا جامع نقشہ۔

• آٹھ خوبصورت رنگ • اعلیٰ آفسٹ کاغذ • بڑا سائز ۲½ فٹ × ۲ فٹ

قیمت: ۲۵/ روپے

ناشر

انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل سٹیڈیز پوسٹ بکس ۵۲۹

۱۶ – سی – پارک ایونیو – یونیورسٹی ٹاؤن – پشاور